مینا
رازِ نہاں
از ایمن جاوید

رازِ نہاں بقلم ایمن جاوید

کہانی ہے لازوال قربانیوں کی، دوستی جیسے انمول رشتوں کی، پچھتاوے کی، دوستی میں بے اعتباری کی، رشتوں کی پاسداری کی، کچھ فضول روایات کی ان سے جڑی رسم ورواج کی، ماضی کے آگ کی، مستقبل کے خواب کی، کچھ محبت کی، کچھ نفرت کی، زندگی بھرپور جینے والوں کی، زمانے کی پرواہ نہ کرنے والوں کی

اس ناول کے کا تمام جملہ حقوق کاروانِ اردو کے نام محفوظ ہیں۔ یہ تحریر خاص کاروانِ اردو کے لیے ہے، کسی بھی فرد یا ادارے یا دوسری ویب سائیٹ کو اس کی اشاعت کا اختیار نہیں۔

ایسا کرنے والے کے خلاف قانونی کاروائی عمل میں لائی جائیگی ہے۔

شکریہ

کاروانِ اردو

قسط 3

"گل تم روئ ہو؟ مجھے بتاؤ؟"

نور جو ابھی اس کے کمرے میں آئ تھی اس کی سوجی آنکھیں دیکھ کر پریشانی سے بولی۔

"ہاں۔"

گل نے ایک لفظ میں جواب دیا۔

"یہ۔۔یہ ساری میری غلطی ہے سوری! مجھے اتنی دیر نہیں روکنا چاہیے تھا تمہیں۔۔"

نور اسے کو ساتھ لگاتے سوری کر رہی تھی۔

"نہیں نور! یہ میری اپنی قسمت ہے! اور مجھے اپنی قسمت سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ہاں بس درد ضرور ہوتا ہے اور بہت ہوتا ہے۔"

گل روتے ہوئے بولی۔

"ایسے نہیں بولو پلیز! انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا بہت جلد۔"

نور نے اپنی دوست کی حالت پر تڑپ اٹھی۔

"چلو شاباش! اب اٹھو کھانا کھالو۔۔میں خود تمہیں کھلاؤ گی۔"

نور اتنی محبت سے بولی کہ گل اسے منع نہیں کر پائ۔

"وفادار دوست بھی ایک نعمت ہوتے ہیں۔ایسے دوست جو خوشی میں آپ کی جیب خالی کریں اور غم میں ساری ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے لے۔مشکل میں ڈال کر آپ کو خود ہی اس مشکل سے نکالے،خود بھلے بے حد تنگ کریں مگر کوئی اور کریں تو ان کو ساری زندگی کا سبق سکھائے۔۔"

شام کے سائے کب کے اپنے پر پھیلا چکے تھے۔ایسے میں حیات ولا کے مکین اپنی فیملی ٹائم انجوائے کر رہے تھے۔

ایک نظر لیونگ روم میں دیکھا جائے تو سارے بڑے صوفے پر بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔اور کچھ پرانی یادوں کا قصہ کھولے ہوئے تھے۔

اور بچے کچھ صوفے پر اور کچھ قالین پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

یہ سب بھی اپنی باتوں میں مگن تھے

یہ حیات ولا کے مکینوں کی روز کی روٹین تھی۔کتنا ہی سب مصروف کیوں نہ ہو۔رات کو سب ایک ساتھ مل کر فیملی ٹائم گزارتے۔اور ایسی روٹین ہر گھر میں ہونی چاہیئے۔

"ہوشیار ہوشیار ہوشیار! ہم آپ سب سے ایک بات کہنا چاہتے ہیں۔"

ادینہ ہاتھ اٹھاتے زور زور سے بولی۔تو سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ہم چاہتے ہیں کہ ہم سب تو ویسے بھی فارغ ہیں تو کیوں نہ ٹروت اور ڈیئر کھیل لے۔ کیا خیال ہے آپ سب کا؟"

ادینہ نے سب بڑوں کو آگاہ کیا۔

"یہ تو بہت اچھا آئیڈیا ہے۔ ہم راضی ہیں۔"

سب نے اپنی رضامندی ظاہر کی۔

اب وہ سب گول دائرہ بنا کر بیٹھے اور بوتل کو گھمایا۔

بوتل اصرار حیات کے سامنے آ کر رکی۔

"اووو! اچھا بتائے اب کیا چوس کرینگے آپ؟"

فاطمہ نے اپنے والد سے پوچھا

"میں تو ڈیئر لونگا۔"

اصرار حیات بولے

"اچھا بابا آپ ماما کے لئے ایک عدد حسین سا شعر سنائے۔"

فاطمہ نے ان کو ڈیئر دیا۔

اوکے!!۔انھوں نے تھمبز اپ کا اشارہ کیا اور اپنی بیگم کو دیکھ کر بولے۔

[شرم، دہشت، جھجک، ناز، پریشانی سے کام کیوں نہیں لیتی]

[آپ، جی، وہ، یہ سب کیا ہے تم میرا نام کیوں نہیں لیتی]

ان کے اس شعر پر سب نے خوب شور مچایا اور ان کی بیگم عائشہ کچھ شرمائی سی۔

"باباواہ! کیا بات ہے۔ کیا شعر سنایا ہے آپ نے۔"

بازل نے باپ کو دیکھ کر بولا۔ اس کی اس بات پر اصرار حیات مسکرائے لیکن ابھی بازل کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔

"مگر۔۔۔ آپ صرف ماما کے لئے سناتے ایسے شعر۔"

بازل نے اپنا دکھڑا سنایا۔ اس کا اشارا خود کی طرف تھا۔

"تے ہور کی! ہن تیرے واسطے اب یہ ایسی والی شاعری شروع کر دوں۔ بے وقوف انسان۔"

اصرار حیات جل کر بولے۔

"اوہو! بابا یارررر میں تو مذاق کر رہا تھا آپ بھی نہ بس!"

بازل دانت نکالتا بولا۔

"شرم تو نہیں آئی ہو گی اس عمر میں ماں باپ سے ایسے مذاق کرتے ہوئے۔"

بازل نے ان کی بات پر نفی میں سر ہلایا تو باقی سب کی جہاں ہنسی نکلی وہی پر اصرار حیات نے اس کو ایسے دیکھا جیسے اس کے سدھرنے کی ساری امیدیں ختم ہو گئی ہو۔

اب دوبارہ سے بوتل گھومی تو وہ شہریار پر جا کر رکی

شہریار نے ثروت کو چنا۔

"اچھا بتاؤ کہ تمہیں کیسی لڑکی چاہیے؟"

فاطمہ نے شہریار سے سوال پوچھا۔

"مجھے۔۔جنت کی حوروں جیسی۔جو تم سے زیادہ حسین ہو گی چھپکلی"۔

شہریار نے اس کو چڑایا اور اپنے خیالات بتائے۔

"لو!! بھائی باتیں سنوانکی۔ تمہیں کوئی اپنی نور نہ دیں تم کہاں حوروں کی بات کر رہے ہو۔ سنگل ہی رہو گے دیکھنا۔"

فاطمہ سرخ ہوتے ہوئے بولی (غصے سے)

"دیکھنا مجھے مل جائے گی اور تم جلتی رہو گی ہمیشہ۔"

شہریار مزے سے بولا۔

"جلتی ہے میری جتی۔۔تم سے جلوں گی میں اتنا وقت کس کے پاس ہے۔"

فاطمہ دانت پیستے بولی۔

"تمہارے پاس ہے۔"

شہریار نے پھر جلتی پر تیل ڈال دیا

"چاچو!!!!!!!!دیکھے اسے۔"

"شیری۔۔چپ کرو۔۔ خبردار جو میری بیٹی کو بولا کچھ۔۔"

شہریار کے والد نے فاطمہ کو اپنے ساتھ لگائے کہا۔

"لو جی جاگ گئی۔ بھتیجی، چاچا کی محبتیں۔"

"جل ککڑے، جلتے رہنا تم۔"

"اچھا بس۔۔اب سب جاو اپنے کمرے میں شاباش، جلدی باقی کا کل کھیل لینا۔۔۔ کل نماز کے لئے پھر لیٹ ہو جاوگے سب"

اصرار حیات صاحب نے سب کو کمرے میں بھیج دیا۔ وہ سب منہ بناتے اپنے کمروں میں گھس گئے۔

"کیا ہوا بھائی! آپ ٹھیک ہو؟"

زولفقار حیات نے اصرار حیات سے پوچھا۔

"دیکھو آج اگر ہمارے آنگن کے دونوں پرندے بھی ہمارے ساتھ ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ گھر اور بھی زیادہ چہچہاتا۔"

اصرار حیات افسردہ ہوتے ہوئے بولے

"سہی کہہ رہے ہیں آپ! انشاءاللہ وہ مل جائے گے۔ ہماری کوششیں کامیاب ہو جائے گی۔"

زولفقار حیات پر امید ہوتے ہوئے بولے۔

"انشاءاللہ۔"

اصرار حیات بھی ساتھ بولے

اور دونوں اپنے کمروں کی طرف چل دیئے۔

صبح ساڑھے دس بجے۔

"اوئے اٹھو!! کھولو دروازہ جلدی"

حنان اور شہریار بازل کے کمرے کا دروازہ زور زور سے پیٹ رہے تھے مگر اندر سے کوئی جواب نہیں آ رہا تھا

"کھول بھی دو اب۔۔ ساری نیندیں آج ہی پوری کرنی ہے۔۔ مینٹل انسان۔"

شہریار چلایا۔

دھڑام سے دروازہ کھلا۔

سفید شرٹ میں ملبوس بازل بند آنکھوں سے دروازہ کھول کر واپس بیڈ پر لیٹ گیا اور آنکھیں موند گیا۔

شہریار نے اپنا سر پیٹا۔ جبکہ حنان بیڈ کے ساتھ ہی نیچے بیڈ کرا ونچا اونچا بولنے لگا۔

"ہائے !! بازل ہم لٹ گئے برباد ہو گئے۔۔ اتنا بڑا دھوکا۔۔ ہائے"

وہ بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے ساز کے ساتھ بول کم گا زیادہ رہا تھا

"وے ! بازل اٹھ جا ویر۔۔ ہماری معصومیت کا فائدہ اٹھایا گیا ہے بازل.."

بازل نے اپنی آنکھیں کھولی اسے کچھ ہونے کا احساس ہوا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔

"کیا ہوا بھائی۔۔ آگے بھی بولو، اتوار کو بھی سکون کا سانس نہیں لینے دیتے۔"

بازل پریشانی سے بولا

"بھائی ہم تباہ ہو گئے لٹ گئے۔"

شہریار بازل کو گلے لگاتا بولا۔۔ بازل نے اسے دور دھکیلا مگر وہ پھر اس کے ساتھ چپک گیا۔ شیری کو دیکھتے حنان بھی دوسری سائیڈ پر بازل سے چپک گیا۔۔

"تم لوگ تو پیچھے ہٹو۔ سمد گون کی طرح چپک ہی گئے ہو۔ بات بتاو نہ"

ان کے کمرے سے آتی زور زور کی آوازوں سے سب گھر والے ان کے کمرے کے دروازے میں کھڑے حیرانی سے ان کو دیکھ رہے تھے۔

"بازل۔۔وہ جو بنگالی بابانے ہمیں سبق دیا تھا نہ جو کہہ رہا تھا روز اس کا ورد کرنا۔"

حنان نے دونوں بازو اس کے گلے میں ڈال کر آدھی بات کی۔

"وہ جو ورد تھا نہ وہ سعودیہ کا قومی ترانہ نکل آیا"

شہریار نے بھی دونوں بازو اس کے گلے میں ڈال دی۔

"کیا؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟"

بازل نے اتنی زور سے کیا بولا کی وہ دونوں اس سے دور ہو گئے

اور پھر بازل نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھا اور نیچے گر کر ہوش سے بے گانہ ہو گیا۔۔

سب گھر والے اس کی طرف بڑھے اسے آوازے دے رہے تھے مگر وہ نہیں اٹھا اور بے ہوش رہا۔

سب پریشان ہو گئے۔دائم ڈاکٹر کو فون کرنے والا تھا کہ حنان نے روک دیا۔اس کے موزے کدھر ہے۔۔ اس کے ناک کے پاس رکھواسے۔

حنان نے حل بتایا۔اور شہری اس کے موزے اس کی ناک پر رکھنے ہی والا تھا کہ وہ ہوش میں آ گیا۔

اور یہ اس کی والدہ نے اسے تھپڑ جڑا

ڈرامے باز. ہمیں ڈرا دیا۔

"ہائے۔۔۔۔میں نے اتنی محنت سے روز پانچ سو دفعہ پڑھا اور وہ سعودی کا قومی ترانہ نکل آیا۔"

ماما

بازل نے اپنی ماں کو آواز لگائی۔جو کہ سب کے ساتھ معاملہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔وہ اس کے پاس آنے تو بازل ان سے بولا

"ماما۔۔آپ میرے لیئے کوئی تیز ترار لڑکی ڈھونڈے کیونکہ یہ دنیا آپ کے بیٹے اور اس کے معصوم بھائیوں کی معصومیت کا بہت فائدہ اٹھاتی ہے۔"

وہ نہایت سنجیدگی اور افسردگی سے بولا

اسکی یہ بات سن کر جہاں سب باہر کو گئے وہی عائشہ حیات یعنی اس کی والدہ نے افسوس سے اس کو دیکھا۔

سب باہر کو چلے گئے۔سب کے قہقہے لگانے کی آواز اندر تک آئی۔

اصرار حیات تو اپنے بیٹے کی ایکٹنگ دیکھ عش عش کر اٹھے۔

اور لڑکیاں تو پیٹ پکڑے اب تک ہنسی سے لوٹ پوٹ رہی تھی آخر ان کے ساتھ دھوکا ہی ایسا ہوا تھا۔

سب کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ تینوں کبھی نہیں سدھر سکتے۔اور وہ لوگ ایسا چاہتے بھی نہیں تھے کیونکہ ان ہی کی وجہ سے گھر میں رونق لگی رہتی تھی۔

"عالیہ۔۔۔دیکھو وہ لوگ آ گئے ہیں۔ جا کے ان کو سلام اور ویلکم کرو۔ میں ذرا پلائو کو دم لگا لوں"

عالیہ کی والدہ نے عالیہ کو آواز دے کر کہا۔

"اسلام و علیکم پیارے انکل۔۔ کیسے ہیں آپ؟ ہمیں تو بھول ہی گئے ہیں آپ۔ ہے نا؟"

عالیہ حدید صاحب کو دیکھ کر خوشی اور شکوے سے بولی۔

"ہاہا.. بلکل بھی نہیں۔ بھلا میں اپنی بیٹی کو بھول سکتا ہوں کیا؟ بس کام کا لوڈ تھوڑا زیادہ تھا۔ لیکن اب تو میں واپس آ گیا ہوں نہ اور یہ دیکھو میں اپنی بیٹی کے لئے ڈھیر ساری چیزیں لایا ہوں۔"

حدید صاحب نے محبت سے اس کو بولا۔

"ائی بہت شکریہ انکل۔۔ یو آر دا بیسٹ۔"

عالیہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"بیٹا ہم بھی یہی کھڑے ہیں۔"

منشی صاحب نے اس کی توجہ اپنی جانب کروائی۔

"اوپس، سو سوری انکل۔ آپ کو دیکھا ہی نہیں۔ اسلام و علیکم۔ کیسے ہیں آپ۔ یقیننً فٹ ہونگے ہے نا۔ اور بھائی آپ بھی ٹھیک ہی ہونگے۔

ہاہاوعلیکم اسلام گڑیا بیٹی ہم تو فٹ ہیں ہیں۔ بھابھی جی کدھر ہے۔"

منشی صاحب نے ہنس کر جواب دیا۔

"ماما آ رہی ہیں وہ کچن میں ہیں"

جواب عالیہ کی جگہ ولی نے دیا۔

"اسلام وعلیکم بھائی صاحب۔ کیسے ہیں آپ دونوں؟"

ولی کی والدہ ریفریشمنٹ کا سامان لے کر آئیں اور ان سے پوچھا۔

"ہم بلکل ٹھیک آپ سنائے۔ سب کیسا چل رہا ہے۔"

"سب ٹھیک ہے حدید بھائی آپ تو ہمیں وہاں جا کر بھول ہی گئے۔"

ولی کی والدہ نے بھی شکوہ کیا۔ حدید چھ مہینے پہلے ہی ملک سے باہر کسی کام کی وجہ سے گیا تھا۔

"ارے بھابھی۔ کیسے بھول سکتا ہوں آپ کو اور بچوں کو۔ میرے بھائی جیسے دوست کی امانت ہیں آپ لوگ۔ اور میں اس امانت کی حفاظت زندگی بھر کرتا رہوں گا۔"

حدید صاحب ولی کے والد کی بات کرتے غمگیں سے بولے۔

"انکل اب میں کر سکتا ہوں اپنی فیملی کی خود حفاظت۔ الحمدللہ۔"

"ویسے بھی آپ نے جتنا کیا وہ پہلے ہی بہت زیادہ ہے۔"

ولی مضبوط انداز میں بولا۔

"ولی بلکل ٹھیک کہا رہا ہے آپ نے اور منشی صاحب نے ہمارا اس مشکل وقت میں بہت ساتھ دیا اور آپ نے تو ہی سارے انتظامات سنبھالے ہر چیز آپ نے کی۔"

"ارے بھابھی یہ بول کر شرمندہ نہ کرے یہ میرے بچے ہیں اور رہینگے۔"

حدید صاحب محبت سے بولے۔

"بلکل حدید صاحب درست کہہ رہے ہیں بھابی۔:

منشی صاحب بھی بولے۔

"اور آپ کب آئے بھائی مطلب اچانک سے؟"

ولی کی والدہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"دراصل میں کل آنے والا تھا مگر کچھ مسئلہ آن پڑا اس لئے رہ گیا۔ پھر آج جب آیا تو منشی صاحب بھی یہاں آرہے تھے اور میں بھی آرہا تھا تو ہم ساتھ آ گئے۔"

"اچھا یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا۔ کتنے دنوں بعد سب ایک ساتھ ہوئے۔ عالیہ بیٹا جاو۔ ذینی بی کے ساتھ ٹیبل لگواو۔"

وہ مسکرا کر بولی۔

اوکے ماما۔

"عالیہ کچن میں اوکے بولتی چلی گئی۔"

"آہل بھائی! ماما کہہ رہی ہیں لنچ کے لئے نیچے آجائے۔ جلدی کریں نہ"

عروج اہل کو بلانے آئی تھی اوپر۔

"اوہو، میری پیاری بہنا کو بھوک لگی تھی یہ لو آجاو چلتے ہیں نیچے۔"

آہل سارا کام چھوڑ چھاڑ کر محبت سے عروج کو دیکھتے بولا

"بھائی، آپ کو ایک بات بتاؤ"

عروج نیچے اترتی بولی

"ہاں ہاں بلکل"

آہل بھی رازدانہ انداز میں بولا کیونکہ اسکو معلوم تھا عروج کیا کہنے والی تھی۔

"یو آر دا بیسٹ برادران دا ہول ورلڈ۔/

عروج اس کے گلے لگتے بولی۔

"اووہ۔ دیٹس بیکوس یو آر دا بیسٹ سسٹر ان دا ورلڈ۔"

وہ اس کے ماتھے کو چومتا بولا۔

وہ آہل ہی ہو سکتا ہے جو اپنی بہن کے کہنے پر سارا کام چھوڑ چھاڑ کر اسکے ساتھ چلا آتا۔ جو کہ اپنی فیملی کی ہر خواہش کو کبھی دل میں نہ دبنے دیتا۔ جو غلط پر ان کو تحمل سے سمجھاتا۔ اور سہی میں ان کو سراہتا۔

جو ایک باپ اور بھائی دونوں کی محبت ان کو دیتا۔ جو اسے اپنا فرض سمجھتا۔

"تم بلکل اپنے انکل پر گئے ہو۔ پتہ ہے وہ بھی ایسے ہی کہتے تھے مجھے۔ اپنی سگی بہنوں سے زیادہ عزیز تر تھی انکی۔"

آہل کی والدہ ان کو دیکھ کر روانی میں بولی گئ۔

"ماما کونسے انکل! آپ نے تو کبھی نہیں بتایا اس بارے میں۔"

عروج ان سے پوچھنے لگی۔

"وہ ہمارے ایک انکل تھے ماما کے بھائیوں جیسے تھے۔ مگر جب تم بہت چھوٹی تھی تو انکی ڈیتھ ہو گئ تھی۔"

آہل بات سنبھالتے ہوئے بولا۔

"اوہ! اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین"۔

عروج بھی افسردہ سی بولی۔

"اچھا چلو عروج تم انیلا بی کے ساتھ ٹیبل لگاو۔ میں ماما کو لیکر آتا۔"

عروج کو عجیب تو لگا مگر اس نے ان خیالات کو جھٹک دیا۔ آہل اپنی والدہ کے پیچھے ان کے کمرے میں گیا جو وہاں بیٹھی رو رہی تھی۔

"ماما۔۔اوہ۔۔ماما۔۔یاررررر ادھر آئیں۔"

وہ اپنی والدہ کو اپنے ساتھ لگاتے بولا۔

"ماما روئے نہیں! وقت جہاں ہر درد پر مرہم رکھ دیتا ہے وہی پر ظالم بھی بن جاتا ہے کبھی واپس نہیں آتا ہے ۔۔"

آہل ان سے بولا

"آہل پتہ ہے! وہ ہمیشہ مجھے کیا کہتی تھی۔ وہ کہتی تھی، جو لوگ وقت کو ضائع کرتے ہیں نہ وقت پھر ان کو ضائع کرتا ہے۔ مگر نہ میں نے یہ بات یاد رکھی اور اس نے اپنی بات یاد رکھی۔"

وہ یہ بات کہتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"آہل میں بہت اکیلی ہو گئی ہوں۔ یہ تنہائی کاٹتی ہے مجھے۔ رات کو بھی میں نہیں سو پاتی ہوں۔ مجھے وہ گزرا ہوا وقت یاد آتا ہے۔ ہر چیز یاد آتی ہے۔ اس کے ساتھ کا ہر پل، تمہارے بابا، تمہارے انکل، میں اور تمہاری خالہ اور تم لوگ، کتنی پرفیکٹ فیملی تھی۔ مگر پھر ایک دم سے سب ختم ہو گیا۔ سب کچھ ریت کی طرح اڑ گیا۔ سچ نہ اسے معلوم تھا اور نہ مجھے معلوم ہے مگر اس وقت شک نے ہمیں اندھا کر دیا۔ یہ بھی نہ سوچا کہ وہ دونوں تو دو جسم ایک جان تھے۔ مگر اب وہ وقت نہیں لوٹ سکتا۔ ہم بہت دور ہو گئے ایک دوسرے سے بہت دور۔"

انہوں نے وہ ساری باتیں آہل کے سامنے رکھ دی جوان کے دل میں برسوں سے تھی۔

"ماما۔۔۔بس۔۔۔ نہیں روئے اب۔سب بہتر ہو جائے گا۔میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں خالہ لوگوں کو ڈھونڈ لوں گا۔ مگر اس کے لئے آپ کو اپنا اور اپنی صحت کا خیال رکھنا ہو گا۔ماما مجھے آپ کی ضرورت ہے ہم سب کو آپ کی ضرورت ہے۔۔آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے"۔

وہ ان کے آنسو صاف کرتا محبت سے بولا۔

اور ان کو باہر ٹیبل تک لایا۔

دھڑام کے ساتھ دروازہ کھلا۔اور وہ تینوں اندر کو آئے۔

"سلام رانا صاحب، شفیق صاحب، محمود صاحب، سلیم صاحب"

وہ تینوں ایک آواز میں بولے۔

"وعلیکم السلام۔"

اندر موجود لوگوں نے سلام کا جواب دیا۔

"ہمیں پتا ہے آپ لوگوں کو ہمارا آنا نہیں بھایا۔ہے نا! یو نوٹی نوٹی!"

بازل آہل کے گال کھینچتے ہوئے بولا۔

"دور ہٹو مجھ سے۔دور رہ کر بات کرو۔اور نہی کوئی کام ہوتا تم لوگوں کو ہر ہفتے یہاں ٹپک پڑتے ہو۔"

آہل بازل کو پرے کرتا بولا۔

/نہیں ہم یہاں بہت مجبور ہو کر آتے ہیں ورنہ ہم یہاں دیکھتے بھی نہیں۔"

حنان نے جواب دیا۔

"اوہ! تو بھائی کو ایسی کونسی مجبوری ہو گئی ہے؟"

ولی نے اس سے پوچھا۔

"آپ لوگ خود تو مزے مزے کی چیزیں منگوا کر کھاتے ہو۔اس لئے تین عدد ہم بھی آجائے تو کونسا مال میں کمی آجائے گی۔"

شہر یار معصومیت کے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے بولا۔

/ہاں ہاں بلکل۔آہل ہم تو یہاں کھانے آتے ہیں۔کام تو یہ لوگ کر کے چلے جاتے ہیں سارا۔"

عامر نے بھی اپنا حصہ ڈالے۔۔

دائم نے بھی اس کی تائید کی۔

"ہاں نہ اور نہیں تو کیا بھلا۔کھانا منگوا دے، جلدی کرے، بہت بھوک لگی ہے۔"

بازل سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔

آہل نے کھانے کا آرڈر جیسے ہی دیا۔

بازل آہل کی طرف بڑھا۔

شہریار بھی ولی کی طرف بڑھنے لگا اور حنان عامر اور دائم کی طرف

1

2

3

یہ تینوں زبردستی ان کے گلے لگے۔اور تو اور ان کے ماتھے پر بوسہ بھی دیا۔

"اففففف! پیچھے ہٹو بازل! ورنہ آرڈر کینسل کروادونگا۔"

آہل بازل کو الگ کرتا بولا

ولی نے شہریار اور دائم اور عامر نے حنان کو پیچھے کیا۔وہ تینوں پیچھے ہٹے۔

"ہم تو صرف آپ شکریہ کر رہے تھے۔"

وہ لوگ دانت نکالتے بولے۔

"اتنا شدید شکریہ آئندہ نہ کرنا، ورنہ اگلی دفعہ پھر اپنا کوئی اور بندوبست کرلینا۔"

ولی اپنے ماتھے کو صاف کرتا بولا۔

"توبہ ہے افففف!"

دائم، عامر اور آہل بھی اپنا ماتھا صاف کر رہے تھے۔

یہ ان کے ساتھ پہلی بار تھوڑی ہوا تھا ہر بار یہ تینوں الگ ہی انداز میں شکریہ ادا کرتے۔

دائم، عامر، ولی اور آہل بزنس پارٹنر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت گہرے دوست بھی تھے اور ہمراز بھی تھے وہ بھی گہرے رازوں کے۔

"وہ تیزی سے گاڑی چلا رہا تھا اسے پسینے آ رہے تھے۔ وہ جتنی تیزی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ ایکسیڈنٹ اور اوپر جانے کے پورے پورے چانسز تھے۔"

"وہ ساتھ ساتھ فون پر کسی کو کال بھی ملا رہا تھا۔ جو کہ نہیں لگ رہا تھا۔ وہ جلد از جلد کسی سیف مقام پر پہنچنا چاہتا تھا مگر مقابل اس سے زیادہ تیز تھا۔ مقابل نے پھرتی سے اپنی گاڑی کو اس کی گاڑی کے سامنے روک دیا۔ جس سے اس کو بھی گاڑی روکنی پڑی۔"

"اب اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ اپنی پسٹل اٹھا کر باہر کو نکل آیا۔ مگر اس کی قسمت کہ اس کی پسٹل خالی تھی۔ اسے نہیں پتہ تھا وہ کیسے خالی ہوئی اور اب آخری ترکیب یہ تھی کہ وہ بھاگنے لگا مگر مقابل نے اس کی ٹانگ پر پھرتی سے دو فائر کر دیئے۔ جس سے وہ زمین بوس ہو گیا۔"

"یہ جگہ کون سی تھی اس کو نہیں معلوم تھا۔وہاں صرف اور صرف جھاڑیاں تھی وہ کوئی سنسان علاقہ تھا۔وہ خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا۔وہ زخمی ہو چکا تھا مگر وہ پھر بھی رینگتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا تاکہ وہ کہیں چھپ سکے۔اسے اپنی سانسیں ختم ہوتے ہوئے محسوس ہو رہی تھی۔"

"اسی دوران وہ گاڑی اس کی سمت اتنی تیزی سے بڑھی جیسے اس کی ہڈیاں توڑنے کا ارادہ ہو۔

وہ وہیں لیٹ گیا۔اسے سب ختم ہوتا ہوا محسوس ہوا۔وہ کچھ اچھے بیتے لمحے یاد کرنا چاہ رہا تھا مگر اس نے کوئی اچھے لمحے گزارے کب تھے۔اور جو لمحے اس نے گزارے تھے وہ اتنے اچھے تو ہر گز نہیں تھے کہ اس کو سوچ کر بندا مسکرا سکے۔مگر جو چیزیں اس کو یاد آ رہی تھی وہ اس کو مزید خوف دلا رہی تھی موت سے۔"

"اور پھر وہی گاڑی تیزی سے اس کے اوپر سے گزری۔اور آگے جا کر رکی۔اب کہ چلانے والوں نے وہ گاڑی ریورس کی اور دوبارہ اس کے اوپر چلا دی۔پھر دوبارہ ریورس کی پھر چلا دی۔چار دفعہ کے اس عمل کے بعد جب وہ گاڑی سے باہر نکلے تو لاش کی ساری ہڈیاں ٹوٹ چکی تھی اور اس کا چہرہ اور باقی اعضاء کی حالت کسی بھی انسان کو جھنجھوڑ کر رکھنے کی طاقت رکھتی تھی۔اس گاڑی میں تین لوگ تھے اس میں سے ایک کے اشارے پر ایک نے وہ لاش بوری میں ڈال دی اور دور کسی دریا میں مچھلیوں کے خوراک بنا دیا۔"

"سامنے والوں کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی ایک امید بھری مسکراہٹ۔"

وہ آٹھ سالہ بچہ درد کی شدت سے چلا رہا تھا۔ مگر وہ رو نہیں رہا تھا شاید کہ وہ ان دنوں میں اس کا عادی ہو چکا تھا ۔ یا پھر وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"وہ درد سے چیخ رہا تھا مگر سامنے والے کو رحم نہیں آیا۔ کیونکہ ان کے دلوں پر مہریں لگ چکی تھی۔ اب ان کو سوائے اپنوں کے درد کے کچھ نہیں محسوس ہوتا تھا"

اس بچے کی پیٹھ پر ایک بہت ہی زیادہ گہرا زخم تھا۔

"اس اٹھ سال کے بچے کی پیٹھ پر لوہے کو آگ میں گرم کر کے رکھ رہے تھے اور آج اس کا تیسرا دن تھا۔ وہ لوگ روز اس کو ٹارچر کرنے آجاتے تھے۔"

آخر جرم کیا تھا اس کا۔؟ کیوں اس کے ساتھ یہ بدترین ظلم ہو رہا تھا۔

"اوپس! درد ہو رہا ہے بیٹا۔ ہے نا! ارے!! یہاں تو اتنا بڑا scar بن گیا ہے۔"

وہ کالے کپڑے منہ پر لگائے آدمی اس بچے سے بول رہا تھا۔

"انکلل۔۔ پلیززززز۔ م۔۔ میں۔۔۔ مجھے لے جائیے یہاں سے! پلیز۔۔۔ مجھے درد ہو رہا ہے۔ بہت زیادہ۔"

وہ بچہ زخمی لہجے میں ٹوٹے لفظوں سے بولا۔

مگر ایک بات اس آدمی کو پریشان کر رہی تھی آخر وہ بچہ رو کیوں نہیں رہا تھا۔

گرم لوہا کسی بھی مضبوط انسان کی برداشت سے باہر ہوتا ہے

اوراس پر تو مسلسل تین دن سے یہی عمل ہو رہا تھا۔

"سنو یہ رہا کیوں نہیں رہا۔ درد کی شدت سے اسے رونا چاہئے ؟"

وہ اپنے آدمی سے پوچھ رہا تھا۔

"سر یہ صرف پہلے دو دن بہت رویا تھا اس کے بعد سے یہ اج یہ صرف چیخا ہے رویا نہیں۔"

اس نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

"آخر ہے تو ڈھیٹ باپ کی ڈھیٹ اولاد نہ۔ اسی کے جیسا تو ہو گا۔"

وہ آدمی غصے میں وہاں سے چلا گیا۔ مگر وہ کون تھا۔ وہ اس چھوٹے بچے سے کیا چاہتا تھا. آخر یہ سب کیا اور کیوں ہو رہا تھا؟.

"بابا! یاررررر پلیز جانے دے نا."

بازل کب سے باپ باپ کی منت کر رہی رہا تھا مگر وہ ان کو اجازت نہیں دے رہے تھے۔

ہوا یوں تھا کہ ان کے یونی والے ان کو ٹرپ پر لے کر جا رہے تھے۔ جہاں بازل اور شہریار خوشی سے سارے گھر میں جھوم رہے تھے وہی پر اصرار حیات نے ان کو جانے سے منع کر دیا۔

"مگر بابا آپ کیوں نہیں جانے دے رہے ہیں سب جا رہے ہیں"

بازل اصرار حیات کو راضی کرنے میں مگن تھا۔

وہ تو راضی تھے، مگر صرف ان دونوں کو پریشان کر رہے تھے جو کہ سب گھر والوں کو معلوم تھا سوائے بچوں کے۔

اور کے مطابق جتنا وہ ہم سب کو پریشان کرتے ہیں تھوڑا توان کا بھی بنتا تھا۔

شہریار کچن میں سے فاطمہ کی چائے اور عنایہ کی چائے اٹھا کر باہر لے آیا اور اپنے باپ اور تایا کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ چھوٹا سا نظرانہ ہماری طرف سے قبول کرے۔"

شہریار نے ادب سے ان کو چائے پیش کی جو کہ وہ خود چرا کر لایا تھا۔

"تم ہمیں رشوت دے رہے ہو برخوردار!"

زولفقار حیات نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"نہیں چاچو، یہ تو بس ہماری محبت ہے۔ شہریار نے خود اپنے نازک ہاتھوں سے بنایا ہے اسے۔ ایسے تو نہ بولے۔"

شہریار نے بھی اس کی تائید کی اور ہاں میں سر ہلایا۔

"ہم اس معاملے پر رات میں بات کرینگے۔"

وہ دونوں بھائیوں اپنی ہنسی کنڑول کرتے اپنے کمروں کو گئے۔

پیچھے بازل اور شہریار لمبی آہ بھری کر رہے گئے۔

وہی پر عنایہ ایک اور ان دونوں کو ایسے دیکھا تو اس کو برا لگا کیونکہ صبح وہ لوگ چپ چپ تھے اور کسی سے بات بھی نہیں کر رہے تھے

وہ بازل کے پاس آکر بیٹھی اور اس سے پوچھا۔

"وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ رات کو اس بارے میں بات کرینگے۔کسی کو نہیں ہماری پرواہ۔"

بازل دکھے انداز میں بولا۔

"ایسے نہیں بولو سب کو تم دونوں کی پرواہ ہے اور میں خود تایا ابو اور چاچو سے بات کرتی ہوں۔"

عنایہ ان کو دیکھتی بولی۔

مگر تم لوگ ایسے نہیں اداس ہو۔اجازت مل جائے گی۔اوکے !

عنایہ نے پہلی بار بازل سے نرم انداز میں بات کی

"تم سچ میں بابا اور چاچو سے بات کرو گی۔"

بازل نے عنایہ بے پوچھا۔

"ہاں"

عنایہ نے جواب دیا۔

"مگر دیکھو میں پھر بھی تم سے شادی نہیں کرونگا۔ تم میری ہیلپ بغیر اس شرط کے کروگی۔"

آہ بازل کی زبان کب تک آرام کر سکتی تھی۔ اور وہ عنایہ کے سامنے تو بلکل نہیں۔

"پاگل انسان! یہ شادی کدھر سے بیچ میں آگئی۔ میں کب مری جارہی ہو تم سے شادی کرنے کے لئے۔"

"دفعہ ہو! تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔ میں نے اتنے دل سے مدد کی پیشکش کی اور تم بازل تم۔۔"

عنایہ بولنے پر آئے تو بولتی ہی چلی گئی اور وہاں سے غصے سے واک آؤٹ کر گئی۔

بازل بھی کندھے اچکا کر دوبارہ غمزدہ سا بیٹھ گیا۔

این اس وقت کمرے سے ان کے والد اور چاچو آئے اور ان کو جانے کی اجازت دی۔

وہ دونوں خوشی سے بھنگڑے ہی ڈالنے لگ گئے۔ آخر اجازت جو مل گئی تھی۔

"گل کدھر ہو؟ جلدی سے چائے لے کر آو میرے کمرے میں!

تم سے ضروری بات کرنی ہے."

گل کے والد اس کو آواز دیتے بولے۔

"جی بابا"

وہ چائے لے کر والد کے پاس آئی اسے کچھ ہونے کا احساس ہو رہا تھا کچھ تو تھا جو غلط ہونے والا تھا۔

"بیٹا وہ تمہارا رشتہ آیا ہے میرے دوست علی کا۔ اور میں نے اس کو ہاں کر دی ہے اس لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لو کیونکہ دو مہینوں بعد تمہاری شادی ہے اور ہاں نور کے ساتھ بازار بھی جانا جو چاہئے ہو کے لینا"

وہ حیران سی کھڑی اپنے سامنے اس شخص کو دیکھ رہی تھی جو خود کو اس کا باپ کہتا تھا

"اب تم جا سکتی ہو۔"

وہ اسے ابھی تک کھڑا دیکھ کر بولے۔

"وہ حیران تھی اس کے اپنے باپ نے اپنی ہی عمر کے آدمی سے اس کا رشتہ طے کر دیا۔ اور اسے صرف فیصلہ سنا دیا۔

کیا وہ اتنا بڑا بوجھ تھی اس گھر میں ان کے اوپر۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو لڑیوں کی مانند بہہ رہے تھے۔

اس نے تو کبھی نہیں سوچا تھا ایسے کبھی بھی نہیں۔

"وہ چیخ چیخ کر رونا چاہتی تھی۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ وہ برسوں سے بنا آواز کے روتے آئی تھی۔ اس چھوٹی سی لڑکی نے زندگی کے ہر حصے کو بہت غور سے دیکھا تھا، بہت گہرائی سے محسوس کیا تھا۔"

اب کہ اس کے دل میں بغاوت اترنے لگی تھی۔اتنے سال سب ٹھیک ہو جائے گا کی جگہ کچھ اور سوچ رہی تھی۔

وہ اپنے باپ سے زیادہ بوڑھے شخص سے شادی ہو گز نہیں کرنا چاہتی تھی۔وہ سوچ رہی تھی کہ ہمارے دین نے بیٹی کی رضامندی پوچھنے کی اجازت خود دی ہے۔پھر کیوں اسے یہ حق نہیں ہے۔

وہ سوچ رہی تھی سارے باپ ایسے تو نہیں ہوتے۔پھر بابا ایسے کیوں ہے شاید وہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔

یا پھر۔۔۔

وہ آگے نہیں سوچنا چاہ رہی تھی۔اتنے سالوں میں وہ پہلی دفعہ ایسا سوچ رہی تھی۔

مگر اس نے ایسا آج پہلی بار کیوں سوچا؟

کیونکہ وہ یہاں بھی شروع سے اپنے باپ کا سوچتی آئی تھی۔کہ ایسا نہ ہو۔ان کی بدگمانی میرے دل میں بیٹھ جائے۔اس لئے وہ نہیں سوچتی تھی۔

مگر آج تو اس نے وہ بھی سوچ لیا۔اب کیا ہونے والا تھا آگے؟کسکو معلوم سوائے گل کے؟

جاری ہے۔۔